جناب محمد یونس میو'
ڈسکہ

جدید اصولِ تحقیق کی تشکیل میں مسلمان محدثین کے کارنامے

(روایات سنن ابنِ ماجہ کے تناظر میں)

قانون سازی میں حدیث کا دوسرا درجہ ہے لیکن بہ اعتبار علم و عمل حدیث نبوی کوئی دوسرے درجہ کی چیز نہیں ہے۔ قرآن حکیم کی بیسیوں آیات اس امر خاص پر دلالت کرتی ہیں۔

قل اطیعوا 'الله و الرسول فان تولوا فان الله لایحب الکفرین (۱)

اطیعو الله و الرسول لعلکم ترحمون (۲)

یایها الذین امنوا اطیعو الله و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم (۳)

و اطیعو الله و الرسول ' ان کنتم مومنین (۴) ....

یایها الذین امنوا اطیعوا الله ورسوله و لا تولوا عنه و انتم تسمعون (۵)

یایها الذین امنوا اطیعوا الله و اطیعوا الرسول و لا بتطلوا اعمالکم (۶)

من یطع الرسول فقد اطاع الله (۷)

و من یطیع الله و رسوله ' فقد فاز فوزاً عظیما (۸)

اطیعو الله و رسوله و الله خبیر بما تعلمون (۹)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ان جملہ آیات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ''اطاعت'' کا ذکر ہے' اب کچھ ایسی آیات جن میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا تذکرہ ہے۔

و من یعص الله و رسوله ویتعد حدوده یدخله ' ناراً خالداً فیها (۱۰)

و من یعص الله ورسوله فقد ضل ضلالاً مبینا (۱۱)

ومن یعص الله و رسوله ' فان له نار جهنم خالدین فیها (۱۲)

ومن یشاقق الله و رسوله فان الله شدید العقاب (۱۳)

ان آیات میں لائق توجہ بات یہ ہے کہ اللہ کے بعد اس کے رسول کی نافرمانی مولانا تقی عثمانی صاحب نے اس اسلوب کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب کبھی قرآن میں اللہ کی اطاعت کا ذکر آیا ہے تو اس کے فوراً بعد رسول اللہ کی اطاعت کا حکم بھی آیا ہے۔ پورے قرآن میں کہیں ایک مرتبہ بھی فروگزاشت نہیں ہوا۔ یعنی پورے قرآن میں کوئی ایک آیت ایسی نہیں ہے جس میں اللہ کی اطاعت کا بیان ہو اور اس کے بعد فوراً ہی رسولؐ کی اطاعت کا ذکر نہ ہو (۱۴) اس کے برعکس قرآن ایسی آیات بیان کرتا ہے جن میں رسولؐ کی اطاعت کا بیان ہے لیکن اللہ کی اطاعت کا حوالہ ظاہراً موجود نہیں ہے۔ چند آیات توجہ طلب ہیں۔

و اقیموا الصلوۃ و اتوا الزکوٰۃ و اطیعوا الرسول لعلکم ترحمون (۱۵)

یومیذ یود الذین کفروا و عصوا الرسول لوتسوی بهم الارض (۱۶)

ن آیات میں صرف رسول کی اطاعت اور رسول کی نافرمانی کا ذکر ہے' وجہ اس کی یہ جب رسولؐ اپنی پیغمبرانہ حیثیت میں کوئی حکم دیتا ہے تو دراصل وہ اللہ ہی کا حکم ہوتا ہے۔ یہ آیت آپؐ کی اس عظیم حیثیت پر دلالت کرتی ہے۔

و ما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی (۱۸)

یہی وجہ ہے کہ اللہ نے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔

و من یطع الرسول فقد اطاع الله (۱۹)

اسی طرح ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ میری محبت کی دلیل حضور ﷺ کی اتباع ہے۔

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله و یغفر لکم ذنوبکم (۲۰)

ایسی آیات کی بنیاد پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب' نے اپنے خطبہ ''تاریخ حدیث شریف'' میں ایک بڑی بات کہہ دی ہے۔ ''قرآنی تصور میں حدیث کوئی کم درجہ کی چیز نہیں ہے بلکہ ایک لحاظ سے اس کا درجہ قرآن کے برابر ہی ہے (۲۱) ایک مثال بیان کرنے کے بعد مزید وضاحت کی ہے۔ ''حقیقت میں حدیث اور قرآن ایک ہی چیز ہیں دونوں کا درجہ بالکل مساوی ہے۔ (۲۲)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب رسولؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت' رسول کا فرمان اللہ کا فرمان اور قرآن و حدیث بالکل مساوی چیزیں ہیں تو دونوں میں جو فرق ہے اس کا سبب کیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف اس بارے میں رقمطراز ہیں۔

رسول اللہ ﷺ جو بھی ہمیں حکم دیں اس کی حیثیت بالکل وہی ہے۔ جو اللہ کے حکم کی ہے' فرق دونوں میں جو کچھ ہے وہ اس وجہ سے پیدا ہوا ہے' کہ قرآن مجید کی تدوین اور قرآن مجید کا تحفظ ایک طرح سے عمل میں آیا ہے اور حدیث کی تدوین اور حدیث کا تحفظ دوسری طرح سے اس لئے تحقیق اور ثبوت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ (۲۳)

قرآن مجید کی حفاظت کے بارے میں تو ارشاد ربانی ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون (۲۴)

لیکن حدیث کے بارے میں اس طرح کی کوئی آیت قرآن میں موجود نہیں۔ پس یہی وجہ ہے کہ روایات کی چھان بین کی ضرورت محسوس ہوئی لیکن اس چھان پھٹک سے بھی پہلے ان کی تدوین وجمع کا مرحلہ درپیش تھا لہٰذا یہ کہنا بجا ہوگا کہ محدثین کی علمی وتحقیقی کاوشیں یہیں سے شروع ہوتی ہیں۔ ابتداء میں آپؐ نے بعض حضرات کو ضبط حدیث سے منع فرمادیا تھا' اور بعض ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے ضبط حدیث کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔ ہر دو طرح کی روایات کی تطبیق کرتے ہوئے محدثین کرام نے فرمایا ہے۔ آپؐ نے جس زمانے میں کتابت حدیث کی مخالفت فرمائی تھی وہ نزول وحی کا ابتدائی زمانہ تھا اگر قرآن مجید کی طرح حدیث کی کتابت کا اہتمام کیا جاتا تو اندیشہ تھا کہ دونوں کا التباس واقع ہو جاتا۔ جب یہ اندیشہ زائل ہوگا تو آپ نے ضبط حدیث کی اجازت مرحمت فرمادی۔ کتابت اور ضبط حدیث کے ذیل میں حدیث کی قسمیں ہیں۔ ایک سرکاری مراسلے اور دوسرے صحابہؓ کا اپنے طور پر رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل کو جمع کرنا۔ سرکاری مراسلات میں 'نجاشی کے نام خط' تمیم داری کا نام پروانہ جاگیر' سراقہ بن مالک کو پروانہ امن' مردم شماری' میثاق مدینہ' آزاد اور خود مختار قبیلوں کے ساتھ معاہدے نامے' ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس بارے میں فرمایا ہے۔

''غرض سرکاری تحریروں کی کثیر تعداد ہے اور اس وقت تک انکی تعداد جو ہم تک پہنچی ہے' کم از کم 400 ہے' چار سو مکتوبات حضورؐ کے پائے جاچکے ہیں۔ جن میں کچھ تبلیغی بھی ہیں مثلاً قیصر وکسریٰ کو دینِ اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔ (۲۵)

محدثین کی جمع وتدوین کی خدمات کو عہد رسالت' عہد صحابہؓ دور تابعین اور تبع تابعین میں تقسیم کیا جاسکتا ہے' ان کے بعد امام مالک بن انس' امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا زمانہ ہے۔ پھر امام بخاریؒ مسلمؒ نسائیؒ ابن ماجہؒ ابن جوزیؒ' ابن اثیرؒ حافظ ضیاء الدین مقدسی' ابن حجر عسقلانی' سیوطی' ملا علی قاری جیسے ائمہ کا دور آتا ہے۔ اس عہد میں علم حدیث کو باقاعدہ ایک فن کی حیثیت ملی اور بے شمار کتب حدیث تدوین ہوئیں۔ اس عہد کی تصانیف کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان میں خالص حدیث نبویؐ جن میں صحابہؓ اور تابعین کے فتویٰ کی آمیزش نہ ہو لکھی گئیں۔ (۲۶)

صحاح ستہ کے علاوہ علامہ ابن جوزیؒ کی ''موضوعات'' علامہ عسقلانی ''نخبۃ الفکر'' اور علامہ سیوطی اور ملا علی قاری کی تصانیف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ روایت ہے کہ سیوطی نے فنون حدیث پر ۸۹ کتب تصانیف فرمائیں۔

موطا امام مالک' حدیث کی اولین کتاب ہے۔ امام نے اس کتاب کی ترتیب وتہذیب پر 40 سال صرف کئے اور اس کو مدینہ کے ستر فقہا کے سامنے رکھا سب نے اس کو پسند کیا' یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس کا نام ''موطا'' رکھا ہے' اس کتاب کو امام محمد نے روایت کیا ہے اس وجہ سے اس کا دوسرا نام ''موطا امام محمد'' بھی پکارا جاتا ہے۔ مقدمہ میں مولانا عبدالرشید نعمانی نے اس کتاب کی صحت کے بارے میں محدثین کے اقوال نقل کئے ہیں۔ علامہ یوسف بن عبدالبر قرطبی مالکی کا بیان ہے ''کتاب اللہ کے بعد'' موطا کے مثل کوئی کتاب ہے اور نہ اس سے بڑھ کر'' شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز

محدث دہلوی اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''موطا'' گو صحیحین کی اصل اور جڑ ہے..... صحیح بخاری و مسلم اگرچہ بسط و کثرت احادیث کے لحاظ سے موطا سے دس گنا ہیں لیکن روایت حدیث کا طریقہ، رجال کی تمیز اور اعتبار و استنباط کا ڈھنگ انہوں نے ''موطا'' ہی سے سیکھا ہے (۲۷)

صحابہؓ بلا تحقیق روایت کو قبول کرنے کے عادی نہ تھے یہی وجہ ہے وہ ان کو کسی دور دراز مقام پر بھی سکی ثقہ کے پاس کوئی حدیث ملی تو اس کو حاصل کرنے کے لئے سفر کے دشوار گزار مرحلوں کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی حضرت جابر بن عبداللہ کے بارے میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک ماہ کی مسافت اختیار کر کے وہ حدیث حاصل کی جو عبداللہ بن انس کے پاس محفوظ تھی اسی طرح کے بے شمار واقعات کتب احادیث میں موجود ہیں لیکن اسقدر حزم و احتیاط کے باوجود بھی ذخیرہ احادیث کو صاف و شفاف نہیں رکھا جا سکا۔

40ھ تک احادیث کذب و وضع سے بالکل محفوظ اور پاک رہیں۔ لیکن اس دور میں ان سے زیادتی شروع ہوئی اور احادیث کو سیاسی اغراض اور فرقہ وارانہ تفوق کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ عجمی عناصر کی سازشوں کے نتائج حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی شہادتوں کی صورت میں برآمد ہونا شروع ہوئے۔ ان لوگوں نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلافات سے بھرپور فائدہ اٹھایا، مسلمانوں کے اندر خوارج، شیعہ جیسے فرقوں کے آثار نمایاں ہوئے۔ اور پھر ہر فرقہ نے اپنی فکری اور سیاسی برتری کے لئے احادیث نبویؐ کو آلہ کار کے طور پر استعمال کیا۔ یوں وضع حدیث کا عظیم فتنہ پیدا ہوا۔ جو بنو عباس کے زمانے میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ مولانا محمد حنیف ندویؒ نے ''مطالع حدیث'' میں ان ہی وجوہات کی نشاندہی کی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ'' زندقہ فارس کی اسلام دشمنی، رنگ و نسل کی عصبیت، بادشاہوں کا تملق اور چاپلوسی کیلئے احادیث وضع کی گئیں اور تو اور بہت سے لوگوں نے جذبہ خیر کے پیش نظر احادیث گھڑیں۔ جن میں فضائل اعمال، فضائل قرآن، آیات و سورہ، فضائل میں مرویات کی ایک تعداد اسی نوع کی موضوعات پر مشتمل ہیں۔

محدثین نے اس فتنہ سے امت کو مامون و محفوظ رکھنے کے لئے عملی و تحقیقی اقدامات کئے اور تنقید حدیث کے لئے ایسے اصول منضبط کئے جن کی بدولت دشمنانِ اسلام کی سازشیں خاک میں مل گئیں۔ روایات کی جانچ پڑتال اور تحقیق کا اصول ایجاد کیا۔ اور ان کے رد و قبول میں نہایت احتیاط سے کام لیا جانے لگا۔ احادیث کی چھان پھٹک کا یہ اصول قرآن حکیم کی اس آیت سے اخذ کیا گیا ہے۔

یایھا الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی مافعلتم نادمین (۲۸)

اسی آیت کی بنیاد پر علماء حدیث نے ''جرح و تعدیل'' اور ''اسماء الرجال'' کا عظیم فن ایجاد کیا، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اسی قاعدے کی بنا پر محدثین نے علم حدیث میں جرح وتعدیل کا فن ایجاد کیا تا کہ ان لوگوں کے حالات کی تحقیق کریں جن کے ذریعے سے بعد کی نسلوں کو نبی ﷺ کی احادیث پہنچتی ہے۔ (۲۹)

چنانچہ حضرات صحابہؓ کی روایت کو سننے کے بعد اس کی تصدیق کرتے اور بیان کردہ حدیث پر شہادت طلب کرتے تھے۔ مولانا اکبر آبادی رقمطراز ہیں۔

''ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس ایک عورت آئی اور عرض کیا کہ فلاں شخص جس کا انتقال ہوگیا ہے' میرا نواسہ تھا اور میں اسکی نانی ہوں۔ متوفی کی میراث میں سے مجھ کو حصہ دلا دیجئے۔ آپؓ نے فرمایا تیرے متعلق نہ تو کتاب اللہ میں کچھ ہے اور نہ ہی سنت میں ہونے کا مجھے علم ہے۔ لوگوں سے دریافت کروں گا پھر بتاؤں گا۔ آپؓ نے پوچھا تو مغیرہ بن شعبہؓ نے فرمایا ''آنحضرت ﷺ نے میرے سامنے نانی کو چھٹا حصہ دلایا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ بولے تمہارا کوئی شاہد بھی ہے؟ محمد بن مسلم نے شہادت دی کہ ہاں میرے سامنے رسول اللہ ﷺ نے نانی کو چھٹا حصہ دلایا تھا۔ خلیفہ اول نے یہ سن کر اس عورت کو بھی سدس دلایا۔'' (۳۰)

حضرت عمرؓ قبول حدیث میں حد درجہ محتاط تھے اور اس سلسلہ میں شہرت کا مقام رکھتے تھے آپؓ کی اسی احتیاط پر اعتبار کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جو حدیثیں رائج تھی تم ان کو مضبوط پکڑ لو کیونکہ انہوں نے لوگوں کو رسول اللہ سے احادیث روایت کرنے سے ڈرایا تھا۔ (۳۱)

مولانا اکبر الہ آبادی نے حضرت عمرؓ کے بارے میں ایک واقعہ بھی درج کیا ہے۔

''حضرت عمرؓ نے ایک مسجد کی توسیع کے لئے حضرت عباسؓ سے زمین طلب کی انہوں نے انکار کر دیا اور حدیث بیان کی کہ آپؓ زیادتی نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس پر گواہ پیش کیجئے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ حضرت عباسؓ نے انصار کی ایک جماعت سے اس کا ذکر کیا تو حضرت عمرؓ کے سامنے ان لوگوں نے تصدیق کی کہ ہاں یہ حدیث صحیح ہے' خلیفہ دوئم نے یہ سن کر فرمایا ''میں آپ کو نا قابل اعتبار نہیں جانتا لیکن چاہتا تھا کہ تصدیق کر لوں'' (۳۲)

قبول روایت میں کم وبیش تمام صحابہؓ کا رد عمل کچھ ایسا نہیں ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ حضرت بن عباسؓ حرت ابن عمرؓ' اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بہت محتاط تھے۔ لیکن اولیت کا سہرہ خلیفہ اول کے سر ہے' مولانا اکبر آبادی نے لکھا ہے۔ ''حضرت ابوبکر قبول اخبار میں سب سے پہلے احتیاط کرنے والے ہیں'' (۳۳) یہ احتیاط صرف صحابہؓ تک محدود نہ تھی بلکہ طبقہ تابعین اور تبع تابعین کے محدثین بھی اس ضمن میں حد درجہ محتاط عمل رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک محدث کا واقعہ لکھا ہے۔

''ایک محدث لوگوں کی سفارش پر ایک شخص کے پاس پہنچا جس کے پاس بہت سی احادیث تھیں جب یہ محدث اس کے پاس پہنچا تو یہ شخص اپنے خالی دامن کو سمیٹے اپنے گھوڑے کو بلا رہا تھا۔ محدث نے اس سے پوچھا یہ آپ کیا

کر رہے ہیں اس نے جواب دیا کہ اپنے گھوڑے کو بلا رہا ہوں۔ شاید میرے خالی دامن میں دانہ سمجھ کر وہ دھوکہ کھا جائے اور میرے پاس آ جائے وہ محدث (محقق) وہیں سے یہ کہہ کر واپس ہو گیا کہ جو شخص جانور کے ساتھ دھوکہ کر رہا ہے تو اس نے حدیثوں میں ضرور فریب کیا ہوگا۔ ایسے آدمی کی روایت درست نہیں ہو سکتی۔ (۳۴)

تحقیق و تدفین کا یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا' اور محدثین وعلماء جرح وتعدیل نے روایات کی جانچ پڑتال' ان کے مذہبی' اصلاحی اخلاقی' عرفی' معاشرتی' منطقی و عقلی اور ادبی معیار کو قرآن اور اسوہ حسنہ کی کسوٹی پر پرکھنے کے اصول و ضوابط منضبط کئے۔ جنہیں جدید تحقیق کی اصطلاح میں علم حدیث کی سائنس کہا جاتا ہے۔ (۳۵) علماء اصول حدیث نے ان اصولوں کو ''اصول روایت'' اور اصول درایت'' کہا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی مقدمہ ''سیرت النبیؐ'' میں ''اصول روایت'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''جو واقعہ بیان کیا اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا۔ اور اگر شریک نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کے نام ترتیب سے بتایا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو شخص سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ تھے؟ سطحی الذھن تھے یا دقیق بین؟ عالم تھے یا جاہل تھے؟ (۳۶)

یہ جملہ سوالات راویوں کی چھان بین سے متعلق ہیں۔ یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ جب تک راوی کے ضبط اور اس کی عدالت کا صحیح علم نہ ہو اس سے روایت کردہ احادیث کی صحت کے بارے میں قطعی فیصلہ نہیں دیا جا سکتا اور راوی کے ضبط اور عدالت کو معلوم کرنے کے لئے راوی کے مفصل حالات کا پتہ لگانا اشد ضروری ہے۔

مثلاً چند امور یہ کہ راوی کے ساتھ اس کی کنیت کا بھی علم ہونا چاہیے' ایسے راوی کا پہچاننا ضروری ہے جس کا نام اور کنیت متحد ہوں' راوی کے لقب یا کنیت کی تحقیق' راوی مولیٰ ہو' اعلیٰ ہو یا ادنیٰ ہو' اسکی بھی تحقیق ضروری ہے' راوی کے بارے میں یہ امر بھی قابل توجہ ہوتا ہے کہ حدیث کا سماع کرنے اور اسکو ادا کرنے کی قابلیت کتنے عمر میں ہوئی۔ (۳۷)

صحت واسناد وغیرہ کی بنیاد پر محدثین نے احادیث کو چار بڑی بڑی اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ صحیح' حسن' ضعیف اور موضوع۔ علماء جرح وتعدیل نے ان احادیث کی پہچان کے لئے الگ الگ اصول اور ٹسٹ مقرر کئے ہیں۔ مثلاً صحیح اور حسن احادیث کے کم از کم چار معیارات کا ہونا ضروری ذکر کیا جاتا ہے۔ راویوں کی عدالت' دیانت' راست بازی' اور حافظہ وغیرہ کی چھان بین۔ دوسرا' اتصال سند'' یعنی سندِ راوی مسلسل اور حضورؐ تک متصل ہو۔ تیسرے روایت کی سند اور متن کا اسی معاملہ کی دوسری روایتوں یا طرق کے ساتھ موازنہ اور چوتھے یہ کہ سند حدیث اور مستن حدیث کا اسی موضوع پر دستیاب دوسرے مواد کی روشنی میں تجزیہ اور اس کا یقین کہ سند اور متن میں کوئی علت (نقص) نہیں ہے۔ (۳۸)

اصول روایت میں راوی کی عدالت اور اتصال سند کی تصدیق پر بھی زیادہ زور دیا جاتا ہے لیکن ان دونوں کے

بارے میں اطمینان کر لینے کے بعد بھی یہ ضروری نہیں ہوتا کہ روایت قابل اعتبار ہو بلکہ امر واقع کو اصول روایت کے ساتھ ساتھ ''اصول ورایت'' پر بھی پورا اترنا پڑتا ہے۔ درایت میں اس بات سے بحث ہوتی ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جارہا ہے وہ عقلی شہادت کے مطابق بھی ہے یا نہیں' کیا حالات' واقعات' آثار وقرائن' اس واقعہ کی تائید کرتے ہیں؟ اور کیا وہ زمانے کے عرف اور تقاضوں سے بھی کوئی مناسبت رکھتا ہے یا نہیں؟

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح اصول روایت کی بنیاد قرآن کی آیت پر استوار ہے اسی طرح ''درایت'' کی بنیاد بھی قرآن پر رکھی جائے گی۔ حضرت عائشہؓ پر بعض منافقوں نے تہمت لگائی اور اس کا چرچا اس زور وشور سے کیا کہ بعض مسلمان بھی مذبذب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولولا اذ سمعتوہ قلتم مایکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانک ھذا بھتان عظیم (۳۹)

اس آیت کی مراد یہ ہے کہ اس بے بنیاد خبر کو سننے کے بعد تمہیں اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ انتہائی نامعقول بات ہونے کے باعث درایۃً بالکل ساقط الاعتبار تھی۔ اس طرز تحقیق یعنی من درایت کیا ابتداء صحابہؓ کے عہد میں ہو چکی تھی اور جید محدثین صحابہؓ اس فن تحقیق کا ماہرانہ استعمال بھی کرتے تھے۔ مثلاً ترمذی باب الوضو کی روایت ہے فقہا میں بعض صحابہؓ اس بات کے قائل ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب اس مسئلہ کو آنحضرتؐ کی طرف منسوب کیا تو عبداللہ بن عباسؓ نے کہا اگر یہ صحیح ہو تو اس پانی پینے سے وضو ٹوٹ جائے گا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو۔'' (۴۰)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ کو ضعیف الروایت نہیں سمجھتے تھے لیکن چونکہ ان کے نزدیک یہ روایت' درایت کے اصولوں پر پوری نہیں اترتی اس لئے انہوں نے تسلیم نہیں کی اور یہ خیال کیا کہ سمجھنے میں غلطی ہوگی۔ مولانا شبلی نے علامہ ابن جوزی کے حوالہ سے درایت کے اصولوں پر مبنی ایک طویل اقتباس کیا ہے اور نکات کی شکل میں اس کا خلاصہ بھی بیان کیا ہے' یہ چند علتیں ہیں جن کے قیام کی صورت میں روایت قابل قبول نہ ہوگی۔ اور اس کے متعلق اس تحقیق کی بھی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں۔ مثلاً یہ کہ جو روایت عقل کے خلاف ہو' اصول مسلمہ کے خلاف ہو' محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو' قرآن مجید' حدیث متواتر اور اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو' جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی وعید ہو' معمولی کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو۔ حدیث رکیک المعانی ہو مثلاً کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ''

نیز وہ روایت جس کے راوی کسی ایسے شخص سے روایت کرتا ہو جس سے کسی اور نے نہ کی اور یہ راوی اس سے ملا نہ ہو' کوئی ایسی روایت جس میں قابل اعتناء واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سینکڑوں آدمی اس کو روایت کرتے' باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی' ایسی روایات جو واقعہ کے خلاف ہوں' مثلاً دھوپ

میں رکھے ہوئے پانی سے غسل نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔ایسی روایت جو انبیاء کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو' مثلاً یہ حدیث کہ تین چیزیں نظر کو ترقی دیتی ہیں سبزہ زار' آب رواں' خوبصورت چہرہ دیکھنا۔وہ حدیثیں جن میں آئندہ واقعات کی پیش گوئی بقید تاریخ مذکور ہوئی ہے۔مثلاً یہ کہ فلاں سن اور فلاں تاریخ میں یہ واقعہ پیش آئے گا۔وہ حدیثیں جو طبیب کے کلام سے مشابہ ہوں مثلاً ہریسہ کھانے سے قوت آتی ہے' مسلمان شیرین ہوتا ہے اور شیرینی پسند کرتا ہے' وہ حدیث جس کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہوں مثلاً عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز کا تھا۔ایسی روایات جو صریح قرآن کے خلاف ہوں مثلاً دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے۔کیونکہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو ہر شخص بتادے گا کہ قیامت آنے میں اس قدر دیر ہے۔حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔وہ روایات جو حضرت خضر علیہ السلام سے متعلق ہیں' درست نہیں ہیں۔

موضوع روایات اور راوی کی چند اور علامات اور پہچانات ملاحظہ ہوں ان امور کا بیان اس لئے ضروری ہے کہ آئندہ چند روایات پر ان کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

راوی لوگوں کو اپنی جانب مائل کرنے کے لئے کوئی محال بات بیان کرے۔مثلاً چاول اگر انسان ہوتا تو نہایت بردبار ہوتا' مختلف پھولوں کی فضیلت مثلاً گلاب حضورؐ کے پسینے سے پیدا ہوا۔حالانکہ گلاب کا وجود حضورؐ سے قبل بھی تھا' بیری کے درخت سے متعلق روایات نبی کریم ﷺ کے حمام میں نہانے یا نورہ لگانے کا بیان ہو' ایسی روایات جن میں مکہ اور مدینہ کے علاوہ کسی اور شہر کی فضیلت ہو مثلاً قزوین' عسقلان' قیروان وغیرہ اس قسم کی موضوعات ابن ماجہ میں پائی جاتی ہیں۔ابن ماجہ کی چند روایات کا تجزیہ (اسماء الرجال) آیا چاہتا ہے۔ایسی روایات جن میں کسی زیارت گاہ یا مقبرہ کا بیان ہو' جن میں دنوں کی نحوست کا بیان ہو۔جیسے منگل یا بدھ منحوس ہے وغیرہ وغیرہ۔جنات سے جنگ کا ذکر جیسے کہ بعض حضرات حضرت علیؓ کے فضائل میں بیان کرتے ہیں: قیامت کے روز سادات یا کسی خاندان کے مغفرت کا ذکر ہو اس طرح وہ روایات جن میں سب سے پہلے حضور ﷺ کے پیدا کئے جانے' یا عقل کے پیدا کئے جانے' یا نور الٰہی سے کسی انسان کی تخلیق کا ذکر وغیرہ یہ روایات قرآن مجید کی تعلیمات' عقیدہ' توحید کے خلاف ہیں۔اس لئے ان سے اعتناء نہیں کیا جاسکتا۔اس نوع کے سینکڑوں روایات ہیں جن کو قبول عام کا درجہ حاصل ہو چکا ہے لیکن درایتاً یہ احادیث قابل قبول نہیں ہوسکتیں چنانچہ محدثین نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے اور شب و روز محنت شاقہ سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردیا ہے۔مولانا شبلی محدثین کی انہی خدمات کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''سینکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کردیں ایک ایک شہر میں گئے' راویوں سے ملے' ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات بہم پہنچائیں' جو لوگ ان کے زمانے میں موجود نہیں تھے۔ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کئے' ان کی تحقیقات کے ذریعے..... اسماالرجال کا وہ عظیم الشان فن تیار ہوگیا۔جس کی بدولت آج

کم از کم لاکھوں شخصوں کے حالات معلوم ہو سکے' ایک اندازے کے مطابق ایسے لوگوں کی تعداد ۵۰ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے' محدثین نے حالات کے بہم پہنچانے میں کسی شخص کے رتبے اور حیثیت کی پرواہ نہ کی۔ بادشاہوں سے لے کر بڑے بڑے مقتداؤں تک کے اخلاقی سراغ رسانی کی۔ اور ایک ایک کی پردہ دری کی۔ اس سلسلے میں سینکڑوں تصنیفات تیار ہوئیں۔ (a ۴۰)

آج ہم یورپ کی تحقیقات اور ان کے حوالوں کے ذریعے اپنی کاوشوں کو معتبر بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جملہ فلسفیانہ اور سائنسی علوم کی طرح اہل یورپ اصول تحقیق میں بھی مسلمانوں سے بہت پیچھے تھے' تحقیق کی آج جن جدید اصولوں کا شہرہ ہے وہ مسلمان محدثین و محققین کی علمی و تحقیقی کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ مولانا شبلی ''الفاروق میں لکھتے ہیں۔

''اس امر پر مسلمان بے شبہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ انہوں نے جس قدر اعتناء کیا کسی قوم نے کبھی نہیں کیا تھا' انہوں نے ہر قسم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات اس تفحص اور تلاش سے بہم پہنچائے کہ اس کو ایک مستقل فن بنا دیا جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں احادیث نبویؐ کے لئے شروع ہوا تھا لیکن فن تاریخ بھی اس فیض سے محروم نہ رہا۔ طبری' فتوح البلدان' طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات بند متصل مذکور ہیں۔ یورپ نے فن تاریخ کو آج کمال کے درجہ پر پہنچا دیا لیکن اس خاص امر میں وہ مسلمان مورخوں سے بہت پیچھے ہیں ان کو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ جرح وتعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔ (b ۴۰)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محدثین کرام ان اصولوں کو روایات و احادیث کی جرح وتعدیل کیلئے کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ روایات و احادیث کی جرح وتعدیل کے لئے کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ روایات جو قرآن مجید' حدیث متواتر یا اتباع امت کے خلاف ہو یا جس میں حضور ﷺ کے سب سے پہلے پیدا ہونے کی خبر ہو' قابل اعتناء نہ ہوں گی۔ آیئے اب اس اصول کی روشنی میں مستدرک حاکم کی ایک راویت کا جائزہ لیں۔

''حاکم نے مستدرک میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی۔ تو انہوں نے کہا ''اے خدا میں تو محمد ﷺ کا واسطہ دیتا ہوں کہ میری خطا معاف کر دے۔ خدا نے کہا' تم نے محمد ﷺ کو کیونکر جانا؟ حضرت آدمؑ نے کہا کہ میں نے سر اٹھا کر عرش کے پایوں پر نظر ڈالی تو یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اس سے میں نے قیاس کیا کہ تو نے اپنے کے ساتھ جس شخص کا نام ملایا ہے وہ ضرور تجھ کو محبوب ترین خلق ہوگا۔ خدا نے کہا ''آدمؑ تم نے صحیح کہا کہ محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا ہی نہ کرتا۔'' (۴۱) حاکم نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے

کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (۴۲)

اس حدیث کو مولانا زکریاؒ نے بھی اپنی مشہور کتاب ''فضائل اعمال'' (تبلیغی نصاب) میں نقل کیا ہے کہ آپ نے اس متن پر جرح کی ہے۔ نیز ملا علی قاری کا ایک قول بھی الموضوعات سے نقل کیا ہے۔ (۴۳)

اس حدیث سے دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ اول یہ کہ محمد آدمؑ سے پہلے پیدا ہوئے۔ نیز یہ کہ حضرت آدمؑ نے اپنی لغزش کی معافی کے لئے آنحضرت ﷺ کا وسیلہ اور واسطہ اختیار کیا۔ اور اسی وجہ سے اللہ نے آپؑ کو معاف کیا۔ دونوں باتیں درایتاً درست معلوم نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ہر دو قرآن مجید کی آیات سے متصادم نظر آتی ہیں۔ خلاف روایت قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت آدمؑ ہی دنیا کے پہلے انسان تھے اور نبی بھی۔ دیکھئے آیت حسب ذیل

و اذ قال ربک للملائکة انی جاعل فی الارض خلیفة (۴۴)

اسی طرح حضرت آدمؑ نے حضورؐ کے وسیلہ و واسطہ سے دعا نہیں کی بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے الفاظ معافی آپ کو القاء فرما دیئے جیسا کہ آیت کریمہ میں مذکور ہے۔

فتلقی آدم من ربه کلمت فتاب علیه انه هو التواب الرحیم۔ (۴۵)

سورۃ اعراف میں وہ الفاظ دعائے آدم کے طور پر ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیئے گے۔

ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین (۴۶)

اب ان آیات کی روشنی میں روایت مستدرک حاکم کا درجہ اور حیثیت کے یقین میں آسانی ہو جاتی ہے۔ محدثین نے ہر ہر راوی پر الگ الگ بحث کی ہے اس کے بعد بات یہیں پر تمام نہیں ہو جاتی رواۃ کے بعد متن حدیث پر بھی جرح ہوئی ہے۔ اس کے بعد کسی روایت کے بارے میں حتمی رائے دی جاتی ہے۔

ذیل میں ''ابن ماجہ'' اور تفسیر ''ابن کثیر'' سے کچھ روایات پر روایت اور درایت کے آئینہ میں بحث کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ انشاء اللہ اس کے بعد یہ امر مزید واضح ہو جائے گا کہ جدید اصول تحقیق کی تشکیل میں محدثین کرام کا کس قدر حصہ ہے۔

یہاں جن روایات کو لیا جا رہا ہے ان کے جملہ راوی اور متن کو محولہ بالا کتب سے بحوالہ نقل کیا جائے گا۔ بعد ازاں تمام راویوں پر باری باری ''کتب رجال'' کی روشنی میں گفتگو کی جائے گی اور اس کے بعد متن کو درایتاً کھولا جائے گا۔ اور آخر میں حدیث کے بارے میں محدثین کا فیصلہ بیان کیا جائے گا۔ ملاحظہ ہو ابن ماجہ کی پہلی روایت

۱۔ حدثنا سهل بن ابی سهل و محمد بن اسماعیل قالا: ثنا عبد السلام بن صالح ابو الصلت الهروی، ثنا علی بن موسیٰ الرضا، عن أبیه جعفر بن محمد، عن أبیه، عن علی بن الحسین، عن أبیه، عن علی بن ابی

طالب، قال: قال رسول اللہ ﷺ، (الایمان معرفة بالقلب و قول باللسان و عمل بالارکان) قال ابو الصلت: لو قری هذا الاسناد علی مجنون لبرا۔ (۴۷)

اس حدیث کے اکثر راوی اہل بیت ہیں اس کی سند ایسے چلتی ہے۔

امام ابن ماجہ کے استاد سہیل بن سہل اور محمد بن اسماعیل ہیں۔ آگے ان دونوں کے استاد عبدالسلام بن صالح ابو الصلت ھروی ہیں۔ ان کے بعد اگلے سارے راویوں کا تعلق اہل بیت سے ہے۔ چنانچہ ابو الصلت نے یہ روایت ''علی بن موسیٰ'' کے حوالہ سے بیان کی ہے۔ جو اپنے باپ موسیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے یہ روایت جعفر بن محمد کے حوالہ سے روایت کی ہے۔ جو اپنے والد گرامی امام محمد باقر کے واسطے سے بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے یہ روایت اپنے والد گرامی علی بن حسین المشہور امام زین العابدین کے واسطے سے بیان کی ہے۔ اور انہوں نے اس حدیث کو اپنے والد گرامی اور صحابی رسول حضرت امام حسینؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ اور انہوں نے اپنے والد امیر المومنین حضرت علیؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ (۴۸)

اس روایت کے پہلے تین راوی سہل بن سہل، محمد بن اسماعیل اور عبدالسلام بن صالح ابو الصلت الھروی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اول الذکر دونوں اصحاب ابن ماجہ کے استاد ہیں اور یہی حضرات تیسری راوی یعنی ابو الصلت ھروی کے شاگرد بھی ہیں۔ گویا یہ امام ابن ماجہ کے استادوں کے استاد ہیں۔ اور یہ اس اسناد کا اہم ترین حصہ بھی ''سہل بن سہل'' کے بارے میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے:

''حدث عن سعید بن ممتان، فیه جهالة، انه مجهول، (۴۹) ابو حاتم نے آپ کا ذکر ''صادقین'' میں کیا ہے۔ ابن حبان نے بھی آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (۵۰) اس حدیث کی سند میں جس راوی پر سخت جرح ہوئی ہے اور ائمہ جرح وتعدیل نے جس کی وجہ سے اس حدیث کو موضوع تک کہہ دیا ہے وہ ہے ''ابو الصلت الھروی'' علامہ ذہبی نے ابو حاتم کے حوالہ سے ''صدوق'' لکھا ہے، العقیلی'' نے رافضی خبیث'' کہا ہے دار القطنی نے بھی ان کے لئے یہی الفاظ استعمال کئے ہیں، نیز ان پر غلط بیانی اور کذب کا الزام عائد کیا ہے۔ ابن عدی نے بھی متہم کہا ہے۔ امام نسائی نے لیس ثقہ'' یعنی ناقابل بھروسہ قرار دیا ہے۔ (۵۱)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اگرچہ ان کو ''صدوق'' لکھا ہے۔ لیکن آپ کی رائے میں ''مناکیر'' روایت کرتے ہیں، نیز العقیلی کے حوالہ سے کذاب لکھا ہے اور آپ کے تشیع کا ذکر بھی کیا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے ''تقریب'' میں ان کے بارے لکھا ہے۔

''عبد السلام بن صالح بن سلیمان ابو الصلت الهروی، مولی قریش، نزل نیشا پور، صدوق له، مناکر، و کان شیع و افرط، العقیلی نقال کذاب (۵۲)

ابن حجر نے ہی ''تہذیب'' میں ان کے حالات پر دو صفحات میں کلام کیا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے۔

''آپ کا مسکن نیشاپور تھا' طلب حدیث میں آپ مختلف شہر پھرے' آپ علی بن موسیٰ رضا کے خادم تھے' ابن حجر نے آپ کی قشافت اور زُہد کا ذکر کیا ہے۔ ابوعبداللہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ منا کر روایت کرتے ہیں ابن حجر نے آپ کے شیعہ ہونے کا ذکر بھی کیا اور اسی پس منظر میں انا مدینۃ العلم' (۵۳) والی حدیث کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ (۵۴)

''رجال الکشی'' شیعوں کی کی معتبر کتاب ہے ''ابوعمر کشی'' کی تصنیف ہے وہ خود بھی شیعہ ہیں' وہ لکھتے ہیں کہ ابو الصلت حدیثیں نقل کیا کرتا تھا اس پر کذب کا الزام نہ تھا لیکن تھا وہ شیعہ۔ (۵۵) علامہ کشی نے مزید لکھا ہے کہ

ان الصلت الهزوی ثقه مامون علی الحدیث الا انه یحب ال رسول الله و کان دینه و مذهبه حب آل محمد صلوات الله علیهم وعلی ابی الصلت رحمة الله (۵۶)

یعنی ابو الصلت پر رحم کرے وہ تھا تو شیعہ ثقہ لیکن آل رسول کی محبت میں متشدد تھا اور اس کا دین و مذہب آل رسول کی محبت تھی' مولانا وحید الزمان (مترجم صحاح ستہ) نے بھی میزان الاعتدال فی نقد الرجال' تقریب اور التہذیب وغیرہ سے یہی بحث نقل کی ہے۔ (۵۷)

اس روایت کے اگلا راوی علی بن موسیٰ الرضا ہیں ''آپ صدوق'' ہیں آپ کا شمار صاحب علم و فضل میں ہوتا ہے نسل کے اعتبار سے بھی افضل ہیں لیکن ان کی روایات میں خلل کا اندیشہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ (۵۸)

بعض ائمہ الرجال نے آپ کو ''مطعون'' اور بعض نے ''متروک'' کہا ہے۔ (۵۹)

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس سند میں سب سے زیادہ جرح ابو الصلت الهزوی پر ہوئی ہے۔ اس بحث سے یہ امر محقق ہوتا ہے کہ راوی زیر بحث اکثر ائمہ جرح و تعدیل کے ہاں کذاب' متروک' متہم بالکذب قرار پایا ہے۔ تاہم ابو حاتم وغیرہ نے صدوق بھی کہا ہے' ابن عدی' دار القطنی' العقیلی اور امام نسائی نے آپ کو خبیث رافضی قرار دیا ہے' گویا اس راوی پر دو طرح جرح ہوئی ہے۔ ایک اس کے کذب کے حوالہ سے اور دوسرے اس کے مذہب کے حوالہ سے' ایک تو یہ آئمہ کے معیار راست گوئی پر پورا نہیں اترتا اس پر مستزاد یہ کہ وہ سب کے نزدیک ''غالی شیعی'' ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے' کہ آئمہ جرح و تعدیل کے ہاں شیعی ہونا کوئی عیب ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ محض شیعہ ہونا تو شاید عیب نہ ہو لیکن عقیدت میں غلو کسی رنگ میں قابل قبول نہیں ہوتا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ فتنہ وضع حدیث کے محرکات میں ایک ''عقیدت'' بے اعتدال بھی تھی۔ اسی کے زیر اثر اہل تشیع نے اپنے مذہب کی تائید میں بکثرت احادیث وضع کیں اور ان کو حضرت علیؓ اور اہل بیت سے منسوب کر دیا۔ (۶۰) فضائل اشخاص میں سب سے پہلے شیعی حلقوں نے حضرت علیؓ کے مناقب میں اس قدر احادیث وضع کیں' (۶۱) کہ محدثین و مفسرین حضرت علیؓ کی روایات کے بارے میں بہت محتاط نظر آنے لگے۔ (۶۲) یہی وجہ ہے کہ آئمہ و جرح و تعدیل نے جب کسی روایت میں کسی غالی شیعی کا سراغ لگایا تو دو

حدیث ان کے نزدیک غیر معتبر قرار پائی ہے۔ زیر بحث حدیث کا متن بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راوی کے اپنے وضع کردہ الفاظ ہیں "لو قری ھذا الاسناد علی مجنون لبیرأ" یعنی یہ اسناد امام علی بن موسیٰ سے حضرت علی بن ابی طالب تک اگر مجنون پر پڑھی جائے تو وہ اچھا ہو جائے۔ روایت ومتن کا یہ ٹکڑا محل نظر ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ حدیث نہیں ہے۔ متن حدیث میں یہ اپنی نوعیت کی نئی چیز آئی ہے۔ چنانچہ راوی ابو الصلت ہروی کے مذکورہ دعویٰ کی بنا پر یہ روایت متکلم فیہ بن گئی ہے بعض ائمہ جرح نے اس راوی کو کذاب کہا ہے اور بعض نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ (۶۳)

سنن ابن ماجہ میں اس روایت کے ذیل میں یہ صراحت بھی اس جرح کی تائید کرتی ہے۔

فی الزوائد: اسناد ھذا الحدیث ضعیف لاتفاقھم علی ضعف ابی الصلت الھزوی (راوی) (۶۴)

بہر حال مذکورہ بالا بحث اور محولہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں اس روایت کو ثقہ نہیں کہا جاسکتا، روایت ودرایت کے معیار پر رواۃ ومتن حدیث پورے نہیں اترتے۔ آئمہ جرح وتعدیل کے یہاں یہ حدیث مجروح اور موضوع تصور کی جاتی ہے۔ خاص طور پر متن کا وہ ٹکڑا فضائل اہلبیت پر دلالت کرتا ہے۔ ابن ماجہ سے دوسری روایت باب ''ذکر ویلم وفضل قزوین'' سے منتخب کی گئی ہے۔ اس حدیث میں دیلم پہاڑ (۶۵) کا ذکر ہے اس باب کی دوسری اور آخری روایت فضیلت قزوین سے ہے جس پر محدثین نے سخت جرح کی ہے اور اس کو موضوع قرار دیا ہے۔ یہاں ان روایات کا انتخاب اس لئے کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ محدثین کرام نے حدیث کے بارے میں کس قدر احتیاط اور تحقیق سے کام لیا ہے اور آج جو ذخیرہ حدیث ہمارے پاس موجود ہے وہ اس قابل ہے کہ اس سے بلاتردد استناد کیا جاسکتا ہے۔ باب مذکورہ بالا سے روایات کے متون اور ان پر ''رجال'' بحث ملاحظہ ہے۔

۲۔ حدثنا محمد بن یحییٰ ثنا ابو دائود و حدثنا محمد بن عبد المالک الواسطی ثنا یزید بن ھرون وحدثنا علی بن المنذر، ثنا اسحق بن مصنور، کلھم من قیس، عن أبی حصن، عن أبی صالح، عن أبی ھریرۃ، قال: قال رسول اللہ ﷺ (لولم یسبق من الدنیا الایوم، تطولہ اللہ عزو جل حتی یملک رجل من اھل بیتی، یملک جبل الایلم و القسطنطنیۃ (۶۶)

اس اسناد میں ''قیس بن اربیع مرجوح ہے، قیس کے علاوہ اکثر رواۃ کو ثقہ کہا گیا ہے۔ لیکن محل نظر ہے، یہ امر کے ''ثقات'، ایک مجروح راوی سے روایت کیوں کرتے ہیں، اور اگر کریں گے تو ان کی روایت کو ارباب فکر ونظر کس طرح دیکھیں گے، دوسری بات جس کو محدثین نے توجہ کے قابل سمجھا ہے وہ ان رواۃ کا 'شیعی'' ہونا ہے ''قیس بن ربیع'' یہ

بحث بعد میں آتی ہے ان کے راویوں پر جرح ملاحظہ ہو۔

روایت کے دوسرے قابل ذکر راوی محمد بن الملک' یزید بن ہارون اور علی بن منذر ہیں' اول الذکر صاحب ''محمد بن عبدالملک الواسطی الکبیر'' ہیں' محدث ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے' ابن حجر نے ''تقریب التہذیب'' میں ان کو مقبول قرار دیا ہے'(۶۷) البتہ آپ نے اپنی دوسری کتاب ''التہذیب'' میں ان کی تدلیس کا تذکرہ کیا ہے۔ "قافلہ کان مدلساً (۶۸) محمد بن عبدالملک یزید بن ہارون سے روایت کرتے ہیں کہ ابن حجر نے آپ کو ثقہ' متقن عابد لکھا ہے' فرماتے ہیں' "یزید بن هارون بن زاوان السلمی مولهم ابو خالد الواسطی ثقه متقن عابد" (۶۹) ابن حجر فرماتے ہیں کہ آپ نے محدثین کی کثیر تعداد سے روایت کی ہے نیز ان سے بھی کثیر تعداد میں محدثین نے روایت کی ہے اور آپ نے ابوطالب کے حوالہ سے لکھا ہے۔ ''وہ حافظ الحدیث تھے اور صحیح حدیثیں بیان کرتے تھے۔(۷۰) ابن مدائن سے روایت ہے کہ وہ ثقات میں سے تھے "هو من الثقات" العجلی کا بیان ہے کہ وہ حدیث میں قائم رہنے والے تھے "ثقه ثبت فی الحدیث" علامہ ابن حجر عسقلانی نے ''تہذیب'' میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ یہیں پہ یحییٰ بن معین کا یہ قول بھی ہے کہ وہ اصحاب الحدیث سے تدلیس کا مرتکب ہوئے۔ "یزید یدلس من اصحاب الحدیث (۷۱) صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں کہ یہ تابعی ہیں' حدیث کے زبردست عالم' حافظ' ثقہ' زاہد اور عابد تھے (۷۲) یزید بن ہارون' علی بن منذر سے روایت کرتے ہیں' ان کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں کہا ہے کہ یہ صدوق ہیں' ملاحظہ ہوں آپ کے "علی بن منذر الطریقی صدوق یتشیع من العاشره مات سه ست وخمیس (۷۳) علامہ ذہبی نے ابی حاتم کے حوالہ سے صادق اور ثقہ بتایا ہے جبکہ امام نسائی کے نزدیک یہ محض شیعی ہیں لیکن ثقہ بھی ہیں' فرماتے ہیں کہ ''قال ابن ابی حاتم "صدوق ثقه" وقال النسائی شیعی محض' ثقه (۷۴) علامہ عسقلانی نے بھی تہذیب میں ثقہ کہا ہے۔ ابن حبان نے بھی ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے' یہاں بھی امام نسائی کا قول ملتا ہے جن کے نزدیک یہ شیعہ محض لیکن ثقہ تھے۔(۷۵) ایہ جملہ رواۃ ''قیس'' سے روایت کرتے ہیں ''کلیم عن قیس'' یہ قیس بن الربیع الاسدی الکوفی ہیں۔ ان کے بارے میں آئمہ جرح وتعدیل کی آراء ملاحظہ ہوں۔

وقال ابو حاتم محله الصدق' ولیس بقوی' وقال یحیٰ ضعیف' وقال مرة" لایکتب حدیثه" وکان کثیر الخطاء وله احادیث المنکرة' وقال النسائی متروک' وقال دار القطنی ضعیف (۷۶)

علامہ ذہبی کے علاوہ اکثر آئمہ کے ہاں یہ روایت میں پختہ نہیں ہیں' بلکہ متروک ہیں' ضعیف اور کثیر الخطاء ہیں۔ مناکر روایت کرتے ہیں۔ صرف ابو حاتم نے آپ کی سچائی کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ضعف کا پہلو ان کی نظر سے بھی اوجھل

نہیں ہونے پایا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی کی تحقیقات بھی اس جرح کی تائید کرتی ہوئی نظر آتی ہیں آپ نے لکھا ہے کہ ''ابن سعید نے اور دار قطنی نے ان کو کثیر الخطاء اور ضعیف کہا ہے البتہ عثمان بن ابی شیبہ نے آپ کو صدوقاً کہا ہے (۷۷) قیس بن الربیع کے بارے میں امام ابن ماجہ کی جرح بھی قابل توجہ ہے' فرماتے ہیں۔ ''احمد بن حنبل اور ابن المدائن وغیرہ کے ہاں یہ ضعیف ہیں' ابو حاتم کہتے ہیں یہ قوی نہیں ہیں۔ محلہ الصدق' العجلی نے کہا کہ وہ حدیث میں معروف اور سچے تھے۔ ابن عدی کا قول ہے ہ ان کی روایات درست ہیں اور ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۷۸) قیس بن الربیع اکثر ائمہ کے نزدیک مجروح ہیں اور ثقہ قرار پاتے ہیں۔

رواۃ حدیث کے بعد متن حدیث پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیے۔ متن حدیث کا تعلق عقائد سے ہے نہ عبادات سے اس میں نہ معاشرت کا تذکرہ ہے نہ معاملات کا' البتہ دیلم اور قسطنطنیۃ کے حوالہ سے فضائل اہلبیت کا تذکرہ ضرور ہوا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ فضائل میں ضعف کا تحمل قرار پاتا ہے تب بھی یہ بات لائق توجہ ہے کہ فضائل کا اصل مقصد اعمال کی تحریک دینا ہوتا ہے جبکہ اس متن میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ صحاح ستہ کے دیگر مصنفین نے شاید اسی لئے اس روایت سے اجتناب کیا ہو۔

۳۔ حدثنا اسماعیل بن اسد: ثنا داؤد بن المحبر' انبانا الربیع بن صحیح عن یزید بن أبان' عن أنس بن مالک: قال' قال رسول الله ﷺ (تفتح علیکم الافاق' ویتفسح علیکم' مدینه یقال قزوین' من رابط فیها أربعین یوماً أربعین لیلة' کان له' فی الجنة عمود من ذهب' علیه زبرجدة خضراء علها قبة من یاقوتة حمرا' لها سبعون الف مصراع من ذهب علی کل مصراع زدبة من الحور العین (۷۹)

یہ وہ روایت ہے جس کی وجہ سے ابن ماجہ پر جرح ہوئی ہے اور ان کی یہ جلیل القدر کتاب صحاح ستہ میں فروتر قرار پائی ہے' آئمہ جرح والتعدیل نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ یہ روایت زوائد ابن ماجہ سے ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے راوی داؤد بن المجر' الربیع بن صبیح اور یزید بن ابان وغیرہ مسلسل ضعف کا شکار ہیں' ابن جوزی نے اس کو ''الموضوعات'' میں ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ علامہ سیوطی نے ابن جوزی کے حوالہ سے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور اس کا وضاع داؤد بن المجر ہے' آپ ہی نے ''الربیع'' کو ضعیف اور یزید کو متروک کیا ہے۔ (۸۲) علامہ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں داؤد بن المجر کو متروک لکھا ہے (۸۱) علاوہ ازیں ابو زرعہ' ابو حاتم' النسائی' صالح بن محمد نے ان کو ضعیف اور غیر ثقہ کہا ہے۔ جبکہ دار قطنی نے ''متروک الحدیث'' قرار دیا ہے۔ (۸۲) داؤد بن المجر نے ''الربیع بن صبیح البصری'' سے روایت کیا ہے کہ ان کے

بارے میں علامہ ذہبی نے یہ رائے دی ہے۔

الربیع بن صبیح البصری ' عن الحسن ' مجاهد و عنه بین مهدی ' و آدم ' علی بن الجعد کان القسطان لایرضاه ' وقال الشافعی : کان رجلا غزا۔ وقال أبو الولید : کان لا یدلس ' ماتکمل أحد فیه الا والربیع فوقه ' وقال احمد وغیره لا بأس به وقال ابن المدائنی ' وعندنا صالح ' ولیس بالقوی ' وقال ابن معین والنسائی ضعیف وقال شعبة ' هو من سادات بالمسلمین (۸۴)

علامہ عسقلانی نے تقریب میں لکھا ہے '' کان عابدا مجاهدا قال الرامھز رے ھو اول من صنف الکتب بالبقرہ من السابعة (۸۵) جبکہ تہذیب میں ابن حجر کی رپورٹ یہ ہے:

'' یہ بنی سعد کے مولی ہیں' ابن سعید اور امام نسائی نے ضعیف اور ابوزرعہ نے صالح صدوق کہا ہے اسی طرح ابو حاتم نے صالح اور مبارک کہا ہے۔ مسلم بن ابراہیم نے شعبہ سے نقل کیا ہے کہ '' الربیع من سادات المسلمین'' یعنی ربیع مسلمانوں کے بادشاہ ہیں۔ (۸۶) اس روایت کے اگلے راوی ''یزید بن أبان الرقاشی البصری '' ہیں' علامہ ذہبی نے آئمہ جرح کے حوالہ سے یزید کو متروک' ضعیف' منکر الحدیث اور روایت میں ناپختہ کہا ہے۔ ملاحظہ ہو '' میزان الاعتدال'' کی جرح:

''قال ابن معین : هو خیر من أبان ابن ابی عیاش ' وقال النسائی وغیره ''متروک'' وقال دار القطنی وغیره ''ضعیف'' وقال احمد کان یزید ''منکر الحدیث'' وقال ابن الدوراقی من ابن معین فی حدیثه ' ضعف ' وقال الفأس حدثنا عبد الرحمان عن الربیع بن صبیح عنه ولیس بقوی (۸۷)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے تقریب التہذیب میں ضعیف لکھا ہے۔ (۸۸) ابن سعید' معاویہ بن صالح' ابن معین' برقانی اور دار القطنی نے ان کو ضعیف لکھا ہے۔ (۸۹) جبکہ امام نسائی' امام حاکم' اور احمد بن حنبل نے متروک کہا ہے۔ (۹۰)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس روایت کے جملہ راوی' متروک' ضعیف اور غیر ثقہ ہیں اور اس حدیث کا وضاع خود اس کی سند میں موجود ہے اور ائمہ جرح و تعدیل نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ جب کسی حدیث کے راویوں پر اس حد تک جرح واقع ہو تو متن حدیث کی جانچ پڑتال کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی ' کیونکہ آئمہ کا اصول یہ ہے کہ '' جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔ (۹۱) اس سب پر مستزاد یہ ہے کہ خود متن حدیث میں بھی ایسی چیزیں موجود ہیں جس سے یہ حدیث موضوع قرار پاتی ہے۔ مثلاً کہا گیا ہے:

'' انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا قریب ہے وہ زمانہ جب کئی ممالک تم فتح کروگے

اور ایک شہر تم فتح کرو گے اس کا نام قزوین ہوگا۔ جو شخص وہاں رباط کرے گا چالیس دن یا چالیس راتیں اس کو جنت میں ایک ستون ملے گا۔ سونے اور سرسبز زمرد لگا ہوگا اس پر ایک قبہ ہوگا سرخ یاقوت کا' اس قبے میں ستر ہزار چوکھٹے ہوں گے' ہر چوکھٹے پر ایک بی بی ہوگی' حوروں میں جو بڑی بڑی آنکھوں والیاں ہیں۔ (۹۲)

عربی متن میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ رابط فیھا اربعین 'رابط' کے معانی دشمن کی سرحد کے پاس پڑاؤ کرنا ہیں (۹۳) غور فرمائیں یا قیام کا ذکر ہے شہادت کا ذکر ہوتا تو دوسری بات تھی' اس قیام پر اس قدر انعام ''ایک قبہ'' اس میں ستر ہزار دروازے اور ہر دروازے میں بڑی آنکھوں والی حوریں۔ یہ قیام قزوین کے حوالہ سے خاص چیز وارد ہوئی ہے۔ حدیث کا ادبی پہلو اور اسلوب بھی قابل توجہ نظر آتا ہے۔ نیز آپ جانتے ہیں کہ ایسی روایت جس میں معمولی کام پر بہت بڑے انعام کی نوید ہو اس میں وضع کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ (۹۴) ابن ماجہ چونکہ قزوین کے رہنے والے تھے۔ اس لئے محدثین نے اس نیت کو بھی مدِ نظر رکھا کہ انہوں نے اپنے شہر کی فضیلت بیان کرنے کے پیش نظر اس حدیث پر خاموشی اختیار کی (۹۵) مختصر یہ کہ محدثین نے ہر دو اعتبار سے اس روایت کو قابل اعتنا قرار نہیں دیا۔ واللہ اعلم

سنن ابن ماجہ' باب الایمان کی دو روایتوں پر یہ بحث تمام ہوا چاہتی ہے۔ روایات کے متن ملاحظہ ہوں۔

۴۔ حدثنا محمد بن بشار' و محمد بن المثنی' قال ثنا محمد بن جعفر' ثنا شعبة قال: سمعت قتادہ یحدث عن انس بن مالک أن رسول اللہ ﷺ قال لا یومن أحدکم حتی یحب لاخیہ -أو قال لجارہ) ما یحب لنفسہ (۹۶)

دوسری حدیث کی سند اور متن یوں ہے۔

۵۔ حدثنا محمد بنا بشار' و محمد بن المثنی قالا: ثنا محمد بن جعفر' ثنا شعبة قال: سمعت قتادہ' عن انس بن مالک قال: قال رسول اللہ ﷺ لا یومن احدکم حتی أکون أحب الیہ من ولدہ و والدہ و الناس أجمعین (۹۷)

ان دونوں روایات کی خصوصیت یہ ہے کہ دونوں کی اسناد ایک ہی طرح ہیں۔ مثلاً محمد بن بشار' محمد بن المثنی اور محمد بن جعفر' شعبہ' قتادہ اور انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں' امام بخاری نے کتاب الایمان میں دونوں احادیث کو دو مختلف اسناد سے لیا ہے' البتہ قتادہ اور انس بن مالک ان کے ہاں بھی موجود رہے ہیں۔ (۹۸) یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی روایت مختلف طرق اور اسناد سے آتی ہے تو جس قدر اس کے راویوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اس کی قطعیت اور یقینی ہونے کی قوت بھی بڑھتی جاتی ہے' مثلاً انما الاعمال بالنیات'' مشہور اور صحیح حدیث ہے اس کے راویوں کی تعداد سات سو (700) سے بھی متجاوز ہے۔ (۹۹) آیئے اب ان اسناد میں موجودہ راویوں کا کتب رجال کی روشنی میں مطالعہ کریں۔

''محمد بن بشار البصری' ثقہ' صدوق اور اصحاب ستہ کے نزدیک حجت ہیں۔ علامہ ذہبی رقمطراز ہیں'' وھوثقہ وقال ابوحاتم وغیرہ'' صدوق'' نیز عبداللہ الدوراقی وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے' کہ یہ اصحاب ستہ کے نزدیک حجت ہیں۔ ''وھو حجۃ بلاریب''(۱۰۰) آپ سے ائمہ ستہ' ابن خزیمہ' ابن صاعد کے علاوہ اور لوگوں نے بھی روایت کی ہے (۱۰۱) بقول ذہبی ابن خزیمہ نے ''کتاب التوحید'' میں آپ کو ''العلم والاخبار'' میں زمانہ کا امام کہا ہے۔ (۱۰۲) یہ محمد بن المثنی سے روایت کرتے ہیں جن کے بارے میں علامہ ولی الدین نے لکھا ہے۔

''ان سے قتیبہؒ احمد بن حنبلؒ اور محمد بن اسماعیل بخاری جیسے مشہور ائمہ نے روایت کی رشید کے عہد میں عہدۂ قضا پر بصرہ میں مامور ہوئے' بغداد شریف آئے تو وہاں بھی محکمہ قضا سپرد ہوا۔ یہاں انہی نے اپنی روایات بیان کیں' اور پھر بصرہ لوٹ آئے۔ ان کی سند پیدائش ۱۱۸ ھ اور سن وفات ۲۱۵ ھ ہے۔ (۱۰۳)

روایات زیر بحث کے دیگر رواۃ بھی ثقہ' صدوق اور مضبوط ہیں رہی متن کی بات تو مضامین حدیث نہ صرف مشہور ہیں بلکہ اصول وروایت کی روشنی میں معروف بھی ہیں۔

یہاں سنن ابن ماجہ سے پانچ روایات کے بارے میں کتب اسماء الرجال'' سے علما کی جرح وتعدیل کو نقل کیا گیا ہے' اس بحث سے مراد ''سنن ابنِ ماجہ'' کے مقام ومرتبہ کا بیان نہیں ہے بلکہ یہ امر واضح کرنا ہے کہ محدثین نے روایات کے بارے میں کس قدر احتیاط سے کام لیا ہے اور رواۃ کے بارے میں مختلف زاویوں سے جو تحقیقات منعقد کی ہیں ان کے بعد سچ کو جھوٹ سے یقین کو شک سے ممتاز کرنا مشکل نہیں رہا ہے۔

آج جدید تحقیق میں روایات' بیانات اور شخصیات کے بارے میں داخلی اور خارجی تحقیقات (شواہد) کی بنیاد محدثین کرام کی یہی کاوشیں قرار پائی ہیں جنکو اصول حدیث کی زبان میں روایت اور درایت کے اصولوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ماخذ و مصادر

۱۔ آل عمران' آیت ۳۲ ۲۔ آل عمران' آیت ۱۳۲ ۳۔ سورۃ النسآ'' آیت ۵۹
۴۔ سورۃ الانفال' آیت ۱ ۵۔ سورۃ الانفال' آیت ۲۰ ۶۔ سورہ محمد' آیت ۳۳
۷۔ سورۃ النساء' آیت ۸۰ ۸۔ سورۃ الاحزاب آیت ۷۱ ۹۔ سورۃ مجادلہ' آیت ۳۳
۱۰۔ سورۃ النساء' آیت ۱۴ ۱۱۔ سورۃ احزاب' آیت ۳۶ ۱۲۔ سورہ جن' آیت ۲۳
۱۳۔ سورۃ انفال' آیت ۱۳

۱۴۔ تقی عثمانی، مولانا ''حجیت حدیث'' ادارہ اسلامیات لاہور، اشاعت اول ۱۹۹۱، ص ۲۰

۱۵۔ سورۃ النور آیت ۵۶ ۱۶۔ سورۃ النساء آیت ۴۲ ۱۷۔ سورۃ النساء، آیت ۱۱۵

۱۸۔ سورۃ نجم آیت ۳ ۱۹۔ سورۃ النساء آیت ۸۰ ۲۰۔ سورۃ ال عمران۔ آیت ۳۱

۲۱۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر ''خطبات بہاولپور'' اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، اشاعت ۱۴۰۱ھ ص ۳۳

۲۲۔ ایضاً ۲۳۔ ایضاً ص ۳۴

۲۴۔ سورۃ الحجر، آیت ۹ ۲۵۔ خطبات بہاولپور، ص ۴۴

۲۷۔ عبدالرشید نعمانی، مولانا، مقدمہ موطا امام محمد، محمد سعید اینڈ سنز، ناشران وتاجران کتب قرآن محل، کراچی ص ا

۲۸۔ سورۃ الحجرات، آیت ۶

۲۹۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، جلد ۵، ۱۹۸۵ء ص ۴۷

۳۰۔ محمد سعید احمد اکبر آبادی، مولانا ''فہم القرآن'' ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۲، ص ۱۱۴، ۱۱۵

۳۱۔ فہم القرآن، ص ۱۱۷ ۳۲۔ فہم القران، ص ۱۱۶ ۳۳۔ فہم القران۔ ص ۱۱۶

۳۴۔ سید مرتضی جعفری، ڈاکٹر، روداد سمینار اصول تحقیق، مرتبہ اعجاز راہی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔ ۱۹۸۶ء ص ۱۰۲، ۱۰۳

۳۶۔ شبلی نعمانی، مولانا، مقدمہ سیرت النبی، دارالاشاعت، کراچی ۱۹۸۵ء، جلد اول ص ۳۷

۳۷۔ سیرت النبیؐ جلد اول ۳۸۔ حجیت حدیث، ص ۱۵۷، ۱۶۴

۳۹۔ سورہ نور، آیت ۱۶ ۴۰۔ سیرت النبی، جلد اول، ص ۳۹

۴۰(a)۔ سیرت النبی، جلد اول، ص ۳۹۔ ۴۰(b)۔ شبلی نعمانی، مولانا الفاروق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، سن ندارد، ص ۴۰، ۴۱

۴۲۔ سیرت النبیؐ، جلد اول، ص ۴۴

۴۳۔ محمد ذکریا، مولانا، تبلیغی نصاب (فضائل اعمال) ناشران قرآن، لاہور، ص ۹۶

۴۵۔ سورۃ البقرہ، آیت ۳۸۔ ۴۶۔ سورۃ اعراف، آیت ۲۳۔

۴۷۔ سنن ابن ماجہ، الجزالاول، باب فی الایمان حدیث نمبر ۶۵، ص ۲۵

۴۸۔ سواتی، عبدالحمید، ترجمہ وشرح سنن ابن ماجہ، ص ۲۵۷ ۴۹۔ ذہبی، محمد بن احمد بن عثمانی ''میزان الاعتدال فی فقہ الرجال''، تحقیق علی محمد مجاوی، المکتبہ الاثریہ سانگلہ ہل، طبع اول ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء، الجزالثانی ص ۶۱۶

۵۰۔ عسقلانی، حافظ ابن حجر ''تہذیب التہذیب'' عبدالتواب اکیڈیمی، نشر السنۃ، لاہور، سن ندارد، الجزا مراجع ص ۲۲۱

۵۱۔ ''میزان الاعتدال فی فقہ الرجال''، الجزالثانی، ص ۶۱۶

۵۲۔ عسقلانی، حافظ ابن حجر ''تقریب التہذیب'' دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، الطبعہ الثالثہ، نومبر ۱۹۸۵، ص ۲۱۳

۵۳۔ ائمہ جرح وتعدیل نے اس روایت کو ضعیف اور موضوع قرار دیا ہے۔

۵۴۔ تہذیب التہذیب، الجزالسادس، ص ۲۸۵

۵۵۔ ابوعمرو الکشی، ''رجال کشی''، موسسہ العلمی المطبوعات، کربلا، سن ندارد، ص ۵۱۲

۵۶۔ ایضاً ۵۷۔ سنن ابن ماجہ (اردو) جلد اول، ص ۵۲ ۵۸۔ تقریب الہذیب، ص ۲۴۹

۵۹۔ تہذیب التہذیب' الجزء الجامع' ص ۳۴۰

۶۰۔ ذہبی' علامہ محمد حسین' تاریخ تفسیر و مفسرین'' مترجم غلام احمد حریری' ملک سنز فیصل آباد' تاریخ اشاعت ۱۹۸۴ء ص ۱۵۲

۶۱۔ مطالعہ حدیث' ص ۷۱ ۶۲۔ تاریخ تفسیر و مفسرین' ص ۹۰

۶۴۔ سنن ابن ماجۃ' (عربی) الجزء اول 'ص ۶۵

۶۵۔ مولانا وحید الزمان نے اپنے ترجمہ میں ''دیلم'' کو ایک پہاڑ لکھا ہے' لیکن جدید تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عراق کا ایک قبیلہ ہے' عراق کے ''دیلم نینوا'' صوبہ کا نام اسی قبیلہ کے نام پر ہے۔ اس سرزمین میں واقع تمام پہاڑ دیلم کے کہلاتے ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد ۹' ص ۵۵۰ تا ۵۶۰) ۶۶۔ سنن ابن ماجۃ' الجزء الاول' ص ۶۵

۶۷۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال'' الجزء الثالث' ص ۶۳۲' نیز ملاحظہ ہو تقریب التہذیب' ص ۳۰۴

۶۸۔ تہذیب التہذیب' الجزء التاسع' ص ۲۵۲' ۲۵۳ ۶۹۔ تقریب التہذیب' ص ۳۸۵

۷۰۔ تہذیب التہذیب' الجزء الحادی عشر' ص ۳۲۱ ۷۱۔ تہذیب التہذیب' الجزء الحادی عشر' ص ۳۲۲

۷۲۔ ولی الدین' علامہ' الاکمال فی اسماء الرجال' مترجم مولانا اشتیاق احمد' نور محمد کارخانہ تجارت آرام باغ' کراچی' سن ندارد' ص ۱۴۲

۷۳۔ تقریب التہذیب' ص ۲۷۹ ۷۴۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال'' الجزء الثالث' ص ۱۵۷

۷۵۔ تہذیب التہذیب' الجزء الجامع' ص ۳۳۷ ۷۶۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال' الجزء الثالث' ص ۳۹۲' ۳۹۳

۷۷۔ تہذیب التہذیب' الجزء الثالث' ص ۱۵۷ ۷۸۔ سنن ابن ماجۃ' الجزء الثانی' ص ۹۲۹

۷۹۔ سنن ابن ماجۃ' الجزء الثانی' باب ذکر دیلم و فضل قزوین' حدیث ۲۷۸۵' ص ۹۲۹

۸۰۔ سنن ابن ماجۃ' الجزء الثانی' باب ذکر دیلم و فضل قزوین' حدیث ۲۷۸۵' ص ۹۲۹

۸۱۔ تقریب التہذیب' ص ۹۸۔ ۸۲۔ تہذیب التہذیب' الجزء الثالث' ص ۱۷۳

۸۳۔ تہذیب التہذیب' الجزء الثالث' ص ۱۷۳ ۸۴۔ میزان الاعتدال فقد الرجال' الجزء الثانی' ص ۴۱

۸۵۔ تقریب التہذیب' ص ۱۰۱ ۸۶۔ تہذیب التہذیب' الجزء الثالث' ص ۲۱۴' ۲۱۵

۸۷۔ میزان الاعتدال فقد الرجال' الجزء الرابع' ص ۴۱۸ ۸۸۔ تقریب التہذیب' ص ۳۸۱

۸۹۔ تہذیب التہذیب' الجزء الحادی عشر' ص ۲۷۱ ۹۰۔ تہذیب التہذیب' الجزء الحادی عشر' ص ۲۷۱

۹۱۔ آثار الحدیث' جلد دوم ۹۲۔ سنن ابن ماجۃ' جلد دوم' ص ۳۷۷' ۳۷۸

۹۳۔ المنجد' دار الاشاعت' کراچی ۲۳ ستمبر ۱۹۷۴' ص ۳۶۴

۹۴۔ سیرت النبیؐ جلد اول' ص ۴۴ ۹۵۔ سنن ابن ماجۃ' جلد دوم' ص ۳۳۷

۹۶۔ سنن ابن ماجۃ الجزء الاول' ص ۲۶ ۹۷۔ سنن ابن ماجۃ الجزء الاول' ص ۲۶

۹۸۔ عثمانی' علامہ شبیر احمد' فضل الباری' شرح صحیح البخاری' ادارہ علوم شرعیہ' کراچی' طبع اول' نومبر ۱۹۷۳ء' جلد اول' ص ۳۳۳' ۳۳۶

۹۹۔ محمد فہیم عثمانی' حفاظت و حجیت حدیث'' دار الکتب' لاہور' طبع دوم' مئی ۱۹۸۹ء ص ۱۷۳

۱۰۰۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال' الجزء الثالث' ص ۴۹۰ ۱۰۱۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال' الجزء الثالث' ص ۴۹۰

۱۰۲۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال' الجزء الثالث' ص ۴۹۱ ۱۰۳۔ اکمال فی اسماء الرجال' ص ۱۱۷